فکر و نظر ---- اسلام آباد جلد: ۳۶ شمارہ: ۲

پاکستانی جامعات میں عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ میں تحقیق ☆

ڈاکٹر سفیر اختر ☆

وطن عزیز کی جامعات کے حوالے سے عربی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ کی تحقیق و تفحص کا جائزہ لینے سے پہلے ، اگر نو آبادیاتی دور (۱۸۵۷ء - ۱۹۴۷ء) میں ان شعبوں میں تعلیم و تعلم اور جامعاتی سطح پر ان میں تحقیق پر ایک نظر ڈال لی جائے ، تو چنداں نامناسب نہ ہوگا -

پس منظر

دنیا بھر میں مسلمان معاشروں نے ہر دور میں اپنی شناخت اور دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے عربی زبان اور علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس پر توجہ دی ہے ، اور بدلتے ہوئے حالات کے تحت انہوں نے کم و بیش تحقیق و اجتہاد سے بھی کام لیا ہے - عام آدمی کی دینی دلچسپی اور ثروت مند اہل علم کے پہلو بہ پہلو برصغیر کے حکمرانوں نے علماء و معلمین اور ان کے خانوادوں کے لیے " مدد معاش " کی شکل میں وظائف مقرر کیے ، اور وہ اپنے اپنے شہروں اور قصبوں میں معاشی تحفظ کے ساتھ تعلیم و تدریس ، تصنیف و تالیف اور

☆ لوسر شرفو واہ کینٹ

تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہے - برصغیر کے سیاسی استحکام اور امن و امان کے ساتھ حکمرانوں کی علم پروری اور علماء دوستی ہی کا نتیجہ تھا کہ بیرون ہند سے اہل دانش کھنچ کھنچ کر یہاں آتے رہے اور علم و دانش اور بحث و تحقیق کی محفلوں کی رونق افزائی کا باعث بنتے رہے- جب سات سمندر پار سے آنے والے برطانوی تاجروں نے اس خطے میں سیاسی قوت حاصل کی تو یہاں پہلے سے ایک نظام تعلیم اور سلسلہ تصنیف و تحقیق موجود تھا - یہ نظام تعلیم اٹھارہویں صدی کے ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۷۴۸ء) کے نام پر " درس نظامی" کے نام سے معروف ہے جس نے برصغیر کے مسلم اقتدار میں بتدریج یہ شکل اختیار کی تھی(۱) ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء نے ابتداءً اپنی ساری توجہ زیادہ سے زیادہ تجارتی منافع کمانے پر مرکوز رکھی ، اور مقامی آبادی کے نظام مذہب و معاشرت میں مداخلت سے کلیتہً گریز کیا ، تاہم بنگال میں مؤثر قوت بننے کے بعد اسے عدالتی نظام ، جو ماضی کی روایت کے مطابق چل رہا تھا ، کے لیے ایسے تعلیم یافتہ افراد کی ضرورت پڑی جو اسلامی فقہ و قانون میں مہارت رکھتے ہوں ، اور دیوانی و فوجداری عدالتوں میں متنوع فرائض انجام دینے کے اہل ہوں - اس پس منظر میں اکتوبر ۱۷۸۰ء میں کلکتہ میں " مدرسہ عالیہ" قائم کیا گیا اور اس میں مروّج درس نظامی کی تدریس کا اہتمام کیا گیا - روایت پر ایک قدم آگے یہ رکھا گیا کہ باقاعدہ سالانہ امتحانات کا طریق کار رائج کیا گیا اور کامیاب طلبہ کو استاد کی جانب سے جاری کردہ " اجازہ " کے بجائے مدرسہ کی طرف سے سند دی جانے لگی (۲)- درس نظامی یا دوسرے لفظوں میں عربی و فارسی زبانوں اور اسلامیات کی تدریس کے لیے " مدرسہ عالیہ - کلکتہ " کی بنیاد رکھنے کے چار سال بعد سر ولیم جونز ، میکس ملر اور بعض دوسرے مستشرقین کی کوششوں سے " رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال " قائم کی گئی جس کا مقصد مشرقی زبانوں اور علوم کی تحقیق و اشاعت تھا - سوسائٹی نے دوسری ایشیائی زبانوں کے ساتھ عربی اور فارسی متون ایڈٹ کرائے اورانہیں مغربی معیار کے مطابق شائع کیا(۳)، تاہم برطانوی

مستشرقین کی " مشرقیت پسندی" بعض دوسرے برطانوی اہل الرائے کو پسند نہ تھی - ان کے نزدیک مغربی علوم اور انگریزی زبان کے توسط ہی سے اہل ہند کو " تہذیب" سکھائی جا سکتی تھی، اور خداوند نے اہل برطانیہ کو یہ موقع اس لیے نہیں دیا تھا کہ وہ خود "مشرق" کے رنگ میں رنگے جائیں-

برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر و اقتدار کا ابتدائی زمانہ وہی تھا ، جب مغربی دنیا میں اشاعت مسیحیت کا جذبہ انگڑائی لے رہا تھا - اس مقصد کے لیے برطانیہ میں یکے بعد دیگرے انجمنیں وجود میں آ رہی تھیں ، جن میں سے ایک " بپٹسٹ مشنری سوسائٹی" تھی جس کا مبشر ولیم کیری ۱۷۹۴ء میں کلکتہ پہنچا - کمپنی کے کارپردازوں نے اسے اپنے مقبوضہ علاقے میں کام کی اجازت نہ دی ، اور اسے کلکتہ سے ۱۳ میل کے فاصلے پر ایک مختصر سی آبادی " سیرام پور" میں قیام کرنا پڑا جو اہل ڈنمارک کے قبضے میں تھی ، تاہم اشاعت مسیحیّت کے جذبے سے سرشار اور برتر تہذیب کے زعم میں مبتلا مسیحی مبشرین نے برطانوی پریس ، مذہبی تنظیموں، کمپنی کے نظماء میں اپنے خیر خواہوں اور پارلیمنٹ کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھوڑے عرصے میں مجبور کر دیا کہ وہ مسیحی مبشرین کو اپنے زیر تسلط علاقے میں قیام کرنے کی اجازت دے -

سیرام پور کے مسیحی مبشرین کے نزدیک اہل برصغیر کی قدیم علمی زبانوں ، سنسکرت اور عربی و فارسی کے بجائے رائج الوقت زبانوں بنگالی اور اردو کو اہمیت حاصل تھی- انہوں نے عام بولی جانے والی زبانیں سیکھیں اور ان میں بائبل کے تراجم کا آغاز کیا- جہاں تک نظام و نصاب تعلیم کا تعلق تھا ، وہ واضح ذہن رکھتے تھے کہ اہل برصغیر میں تبدیلی مغربی نظام تعلیم سے آئے گی ، مگر ذریعہ تعلیم لازماً مقامی زبانیں ہوں - ان کے سامنے مغرب کی نشاۃ ثانیہ کا تجربہ تھا ، جب لاطینی اور یونانی جیسی کلاسیکی زبانوں کے بجائے عوام کی زبانوں کو بڑھاوا دیا گیا تھا ، اور انہی کے ذریعے جدید افکار مضبوط ہوئے تھے -

۱۸۱۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء نے اہل برصغیر کی تعلیم پر ایک لاکھ روپے خرچ کرنے کی سفارش کی ، تو بدستور مشرقی علوم و السنہ کے دلدادہ مستشرقین مؤثر تھے ، تاہم ۱۸۱۴ء کی سفارش پر دس برس بعد عمل ہوا - کمپنی نے چند مدارس کی سرپرستی شروع کی - ۱۸۲۵ء میں " دہلی کالج" کا افتتاح ہوا جس کی بنیاد مشرقی علوم کی ایک پرانی درس گاہ " مدرسہ غازی الدین فیروز جنگ" (سال تاسیس ، ۱۷۹۲ء) پر رکھی گئی تھی - "دہلی کالج" میں دوسرے علوم کے ساتھ عربی و فارسی اور سنسکرت پڑھائی جاتی تھی اور "سنسکرت اور عربی کی ترقی کی خاطر ان قدیم زبانوں میں تراجم کے لیے فیاضی کے ساتھ امداد دی جاتی تھی --- صرف ایک کتاب کے عربی ترجمے کے لیے بتیس ہزار روپے کی منظوری دی گئی(۴)" - عربی زبان کے ساتھ درس نظامی میں شامل بعض کتابیں زیر درس تھیں - مولوی مملوک علی نانوتوی ، مولوی سدید الدین اور مولوی سبحان بخش نمایاں اساتذہ میں سے تھے - " دہلی کالج" کے پرنسپلوں میں معروف مستشرق ڈاکٹر اے - سپرنگر بھی شامل تھے - انہوں نے اسی زمانے میں " تاریخ یمینی" مرتب کی تھی - مولوی سبحان بخش کی شہرت " وفیات الاعیان (ابن خلکان)" کے مترجم کی حیثیت سے ہے - " دہلی کالج" کے طالب علموں میں ڈپٹی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد ، مولوی ذکاء اللہ، میر ناصر علی ایڈیٹر " صلائے عام" اور مولوی کریم الدین پانی پتی جیسے اہل علم شامل ہیں ، جنہوں نے اردو ادب کے ساتھ تاریخ اور علوم اسلامیہ میں متعدد تحریریں یادگار چھوڑی ہیں -

ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء اور گورنر جنرل کی کونسل میں اہل ہند کی تعلیم کے حوالے سے مستشرقین کے نقطہ نظر کے خلاف انگریزی زبان کے داعی مسلسل کوشاں رہے، بالآخر ان کی جدوجہد رنگ لائی اور ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو گورنر جنرل نے بہ اجلاس کونسل فیصلہ کیا کہ :

> حکومت برطانیہ کا بڑا مقصد اہل ہند میں یورپین لٹریچر اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے - جو اور جس قدر رقوم مقاصد تعلیم کے لیے مخصوص ہیں، وہ صرف انگریزی تعلیم پر صرف ہونی چاہئیں (۵)۔

اس فیصلے میں لارڈ میکالے کی خوش بیانی اور طلاقت لسانی نے بنیادی کردار ادا کیا تھا - لارڈ میکالے نے انگریزی زبان اور مغربی علمی سرمائے کی تعریف کرنے اور افادیت واضح کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ مشرقی علوم کا مذاق اڑایا(۶) ،تاہم مشرقی زبانوں کے حامیوں اور انگریزی کے طرف داروں کے درمیان سرد جنگ جاری رہی -

اس نئے فیصلے سے " مدرسہ عالیہ کلکتہ " اور " دہلی کالج" بند تو نہ ہوئے، البتہ کمپنی کے تعاون سے چلنے والے تعلیمی اداروں میں انگریزی ذریعہ تعلیم قرار دے دی گئی اور عربی و فارسی کو دیس نکالا دے دیا گیا - بعد ازاں مسیحی مبشرین نے اپنے پیش رو سیرام پور مشن کے بانیوں کی سوچ مسترد کر دی ، اور انہوں نے جو ادارے قائم کیے ، حکومت وقت سے امداد حاصل کرنے کے لیے ان میں انگریزی کو بطور ذریعہ تعلیم اپنا لیا- مسلمانوں کے احتجاج اور عرض داشتوں کے نتیجے میں لارڈ میو نے ۱۸۷۱ء میں عربی اور فارسی کو اختیاری مضمون کے طور پر سکول اور کالج کی سطح پر پڑھنے کی اجازت دی ، مگر دوسرے مضامین کی طرح ان کے لیے بھی انگریزی ہی " ذریعہ تعلیم" تھی -

۱۸۵۴ء میں طے پایا کہ کمپنی کے مقبوضات میں ہر صوبے میں محکمہ تعلیم قائم ہو اور ان مدارس کو جو سرکاری تحویل میں نہیں، امدادی رقوم دی جائیں - کلکتہ ، مدراس اور بمبئی میں مغربی جامعات کے نقشے پر جامعات قائم کرنے کا فیصلہ ہوا - پنجاب چند سال پہلے کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہوا تھا (۱۸۴۹ء) ، تاہم محکمہ تعلیم کے قائم ہونے پر ۱۸۶۴ء میں "گورنمنٹ کالج لاہور" وجود میں آیا - ڈاکٹر جی - ڈبلیو- لائٹنر کو پرنسپل مقرر کیا گیا - ڈاکٹر لائٹنر کی ساری اٹھان ایک مستشرق کی تھی اور لاہور آنے سے پیشتر "کنگز کالج لندن" میں عربی اور اسلامی قانون کے پروفیسر تھے - جہاں ڈاکٹر لائٹنر کا جھکاؤ اپنی تعلیم اور رجحان کے تحت مشرقی علوم اور السنہ کی جانب تھا، وہیں انہیں "گورنمنٹ کالج لاہور" کے انتظام کے دوران میں تجربہ ہوا کہ انگریزی زبان کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ میں حریت فکر اور اپج نام کی کوئی چیز نہیں تھی، ان کی کل کائنات نقالی تھی ، چنانچہ لائٹنر نے جنوری ۱۸۶۵ء میں مقامی رؤساء اور اہل دانش کے ساتھ مل کر

" انجمن پنجاب " قائم کی اور ایک " اورینٹل یونیورسٹی" کے لیے مہم چلائی - فوری طور پر یونیورسٹی تو نہ بن سکی ، البتہ ۱۸۷۲ء میں لاہور میں وہ ادارہ وجود میں آ گیا جو آج " اورینٹل کالج - پنجاب یونیورسٹی" کہلاتا ہے - اس کالج کے مقاصد میں : " (۱) جہاں تک ممکن ہو پنجاب کی دیسی زبانوں کے ذریعے یورپین علوم و فنون کو شائع کرنا اور دیسی ادبیات کو ترقی اور وسعت دینا ، (۲) مشرقی السنہ اور ادبیات کی عمدہ تعلیم کو ہر طرح سے تقویت دینا(۷) " شامل تھا - پنجاب یونیورسٹی قائم ہونے پر اورینٹل کالج اس کا حصہ بن گیا (۱۸۸۲ء) - یہ ادارہ گزشتہ سوا صدی سے برصغیر کی چند زبانوں اور عربی کی تدریس، نیز ان زبانوں کے ادب و لغت میں تحقیق میں مصروف ہے - نوآبادیاتی دور میں کالج سے جو مستشرقین بطور پرنسپل وابستہ رہے، ان میں ڈاکٹر لائٹنر کے علاوہ ایم - اے - سٹائن، ٹی- ڈبلیو - آرنلڈ اور اے - ڈبلیو- سٹراٹن جیسے اہل علم شامل ہیں - عربی زبان کے اساتذہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی عبداللہ ٹونکی، ڈاکٹر عظیم الدین احمد، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ، مولانا عبدالعزیز میمن، مولانا نورالحق اور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ جیسے صاحب ہنر شامل ہیں- ڈاکٹر لائٹنر تصنیف و تالیف کو ترجمہ پر فوقیت دیتے تھے ، ان کے نزدیک ترجمہ اصل متن کا حلیہ بگاڑنے کے مترادف تھا ، چنانچہ انہوں نے " دہلی کالج" کی روایت کے برعکس نئی کتابوں کی ترتیب و تسوید اور قدیم متون کی تصحیح و ترتیب پر توجہ دی - ڈاکٹر لائٹنر نے تصحیح و تدوین متون ، اشاریہ سازی اور وضاحتی فہرستوں کی تیاری کی جو روایت قائم کی، بعد کی نسلوں نے اسے قائم رکھا ہے - اساتذہ اور نامور طلبہ نے عربی زبان و ادب کے حوالے سے تاریخ اور بعض خالص دینی موضوعات کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے -

نو آبادیاتی حکومت کے زیر اہتمام جو جامعات اور تعلیمی ادارے قائم ہوئے ، ان میں عربی زبان کی تدریس و تعلیم کے لیے تو گنجائش تھی ، مگر " اسلامیات" یا " علوم اسلامیہ" کے لیے کوئی جگہ نہ ہو سکتی تھی ، تاہم اس عرصے میں مسلمانوں نے اپنی مدد آپ کے تحت " اسلامیات " کی تدریس کے ادارے قائم کیے ، جنہوں نے تصنیف و تالیف اور

تحقیق میں اپنی سی کوششیں کیں - مسلمان اہل دانش کا وہ گروہ جو ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد یہ سمجھنے لگا تھا کہ نو آبادیاتی حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنا ممکن نہیں ، البتہ ان کے اقتدار سے مسلمانوں کی تہذیبی شناخت اور دین اسلام کو جو خطرات درپیش ہیں، ان کا تدارک کیا جا سکتا ہے - ان اہل دانش نے دینی مدارس قائم کر کے ایمان و عقیدہ اور تہذیبی و ثقافتی شناخت کا تحفظ کیا - دارالعلوم دیوبند (تاسیس،۱۸۶۷ء) اور اس سے وابستہ تعلیمی اداروں میں اسلامیات کی تدریس " درس نظامی" یا اس میں معمولی رد و بدل کے ساتھ جاری رہی ، نیز ان مدارس کے اساتذہ اور فاضلین دارالعلوم نے دینی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے -

" دارالعلوم دیوبند" کے بانیوں کے برعکس جو اہل دانش مسلمانان برصغیر کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لیے نئے حکمرانوں سے اچھے تعلقات اور انگریزی زبان و ادب کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے ، انہوں نے سرسیّد احمد خان کا ساتھ دیا - سرسیّد احمد خان نے " محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ " (تاسیس ۱۸۷۷ء) کی داغ بیل ڈالی- علی گڑھ کالج کے منتظمین کے پیش نظر یہ امر تھا کہ کالج کے تمام طلبہ اچھے مسلمان ہوں ، اور عادات و اطوار ، نیز جدید علوم اور زبان میں مہارت کے اعتبار سے حکمرانوں کے لیے قابل قبول ہوں - روز اوّل سے علی گڑھ میں " دینیات" کی تدریس کا اہتمام کیا گیا، مگر اس کا مقصد اعلیٰ معیار کی تصنیف و تالیف یا تحقیق نہ تھا - " محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ" کے طالب علم مولانا محمد علی جوہر (م۱۹۳۱ء) نے لکھا ہے :

> (دینیات کی) کتابوں میں زیادہ تر طہارت کے رسمی اصول، نمازوں کی ادائیگی یا بڑی جماعتوں کے طلبہ کے لیے نکاح و طلاق اور جہیز کے بارے میں اسلام کے موٹے موٹے قوانین کا ذکر ہوتا تھا - قرآن ہمارے لیے ایک بند کتاب تھی اور احادیث رسول ﷺ محض برائے نام اہمیت رکھتی تھیں - صرف ایک مرتبہ کالج کی بعض جماعتوں نے نبی اکرم ﷺ کی زندگی پر ایک ابتدائی کتاب پڑھی تھی، اور وہ بھی دس بارہ صفحات سے آگے نہ بڑھ سکے - کسی

نصابی کتاب میں علم کلام و مناظرہ کی حیثیت سے دینیات کا سرے سے کوئی ذکر نہ تھا - ہندوستانی جامعات میں مشرقی زبانیں ہمیشہ ہی بے توجہی کا شکار رہی ہیں اور انہیں جو ادنیٰ حیثیت حاصل تھی، اس کا اظہار انہیں غیر شعوری طور پر دیے گئے سرکاری نام " ثانوی زبانیں" سے ہوتا ہے --- نصابی کتابوں سے جو معمولی معلومات ہمیں حاصل ہوتی تھیں ، ایک رات میں رٹ لی جاتیں اور اگلی صبح کمرہ امتحان میں جوابی کاپی پر فر فر لکھ دی جاتی تھیں(۸) _

دسمبر ۱۹۲۰ء میں " محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ " کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا ،شعبہ اسلامیات قائم کیا گیا ، مگر عملاً اس کی حیثیت برائے نام رہی - شعبہ عربی کے لیکچرار مولانا سیّد سلیمان اشرف ابتداءً شعبہ اسلامیات کے اعزازی ریڈر تھے - تقریباً دو سال گزرنے پر انہیں اس شعبہ کا مستقل ریڈر بنایا گیا - صاحبزادہ آفتاب احمد خان (م ۱۹۳۰ء) نے وائس چانسلر بننے پر (دسمبر ۱۹۲۳ء) شعبے کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر رائے قائم کی کہ " یاتو اس شعبہ کا کام شروع ہو، ورنہ بند کر دیا جائے - محض کاغذ پر اس کا قائم رہنا بے کار ہے (۹) "_

صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے شعبے کا باقاعدہ نصاب مرتب کرنے کے لیے معروف معاصر برطانوی مستشرقین ڈاکٹر آرنلڈ، ڈاکٹر ڈینی سن راس اور جرمن فاضل ڈاکٹر کرینکو سے مشورہ کیا، اور اس کی روشنی میں نصاب کا خاکہ ترتیب دے کر علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور صلاح الدین خدابخش کی آراء لیں(۱۰) ، مگر شعبہ اسلامیات کے ریڈر مولانا سیّد سلیمان اشرف اور وائس چانسلر کے درمیان اختلاف سے اتنی بدمزگی پیدا ہوگئی کہ یہ ساری مشق دھری کی دھری رہ گئی(۱۱) _" مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" کا شعبہ اسلامیات لشٹم پشٹم چلتا رہا، مگر یونیورسٹی کے اربابِ حل و عقد کبھی اس کی کارکردگی سے

مطمئن نہ ہوئے اور اہل علم کے ہاں یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے نصاب ، اساتذہ کے تقرر اور دوسرے متعلقہ مسائل پر گفتگو ہوتی رہی(۱۲) ۔

اگرچہ اسلامیات کے نصاب کی اصلاح اور دوسرے متعلقہ مسائل پر گفتگو ہوتی رہی ، تاہم شعبہ اسلامیات کی کارکردگی سے مایوسی کا ایک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ " آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" نے اپنے ۴۷ ویں اجلاس (رامپور : ۲۳ فروری ۱۹۳۶ء) میں "شعبہ اسلامیات" قائم کیا جس کی اوّلین نشست کی صدارت ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن (م ۱۹۴۹ء) نے کی تھی - ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن مسلم یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ کے سربراہ تھے- مولانا عبدالماجد دریابادی کے الفاظ میں " عقائد کے لحاظ سے بڑے پختہ مومن، بلکہ مومن گر (تھے) - یہ ان ہی کا فیض و تصرف تھا کہ مسلم یونیورسٹی کے بعض اور شعبوں میں الحاد اور بے دینی کی جتنی بھی گرم بازاری رہی ہو، عین اس دور میں شعبہ فلسفہ اس وبا سے نہ صرف محفوظ و غیر متاثر رہا ، بلکہ الٹے اس کی اصلاح و علاج میں خاصی حد تک کامیاب رہا(۱۳) ۔"

ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن نے " شعبہ اسلامیات " کے اجلاس میں جو خطبہ صدارت دیا، آج بھی اسلامیات یا علوم اسلامیہ کے حوالے سے خاصے کی چیز ہے (۱۴)- ان کے نزدیک " اسلامیات سے مراد ہے ہر وہ بات جو اسلام اور مسلمانوں سے متعلق ہو- اس میں تاریخ و ادب ، علوم و فنون، تہذیب و تمدن ، مذہب و اخلاق ، فلسفہ و حکمت ، معاشیات و سیاسیات سبھی کچھ آ جاتا ہے ، مگر ان کا مطالعہ ایک خاص غرض سے کیا جاتا ہے - اہل یورپ جب اسلامیات کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ان کی غرض و غایت اور ہوتی ہے اور ہم مسلمان جس غایت کو پیش نظر رکھ کر اسلامیات کا نام لیتے ہیں وہ اور ہے۔ "

ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن کی سوچ یہ تھی کہ مستشرقین اسلامی تمدن کی حقیقت سمجھنا چاہتے ہیں ، ان کی تحقیق و تفتیش کی نوعیت وہی ہے جو واقعات عالم کو سمجھنے کی ہوتی ہے، ان کے ساتھ پادری منش لوگ مطالعہ اسلامیات میں اس لیے منہمک ہیں کہ " اسلام کے

نقائص معلوم کریں، مسلمانوں کی کمزوریاں جان لیں اور پھر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں، " تاہم مطالعہ اسلامیات سے مسلمانوں کا مقصد نظری نہیں، عملی ہے -

انہوں نے اس دور کے خطرات کے تناظر میں مطالعہ اسلامیات کا نہج متعین کیا اور واضح کیا کہ اسلامیات کا بڑا مقصد "اسلامیت" پیدا کرنا ہے - ڈاکٹر سید ظفر الحسن تو اپنے طور پر " اسلامیات" پر لکھتے رہے ، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ " آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس " کا یہ شعبہ اسلامیات کتنا متحرک رہا!

" محمڈن اینگلو اورینٹل کالج" کے نام میں لفظ " اورینٹل" کی مناسبت سے عربی اور فارسی کا شعبہ بھی قائم کیا گیا تھا ، تاکہ طلبہ اسلامی تاریخ و ثقافت سے آگاہ ہوں ، مگر ۱۸۷۷ء کی سالانہ رپورٹ میں شعبے کی کارکردگی اور طلبہ کی عدم دلچسپی کے سبب سرسید احمد خان نے ناراضی و ناخوشی کا اظہار کیا، اور بالآخر نومبر ۱۸۸۵ء میں شعبہ بند کر دیا گیا(۱۵) - فارسی کے مدرس مولانا شبلی نعمانی چند سال بدستور کالج سے وابستہ رہے، مگر بالآخر وہ بھی ۱۸۹۹ء میں استعفاء دے کر الگ ہو گئے - کالج سے یونیورسٹی بننے پر شعبہ عربی از سر نو قائم ہوا اور مولانا عبدالعزیز میمن کے تقرر سے اس میں جان پیدا ہوئی ، انہوں نے اور ان کے شاگردوں نے تحقیقی اور تصنیفی فضا پیدا کرنے میں قابل قدر کام کیا ہے -

---

تحریک عدم تعاون کے زمانے میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بالمقابل " جامعہ ملیہ اسلامیہ " کی جب داغ بیل ڈالی گئی (۱۹۲۰ء) تو قومی اور دینی جذبات اپنے پورے عروج پر تھے ، اور مولانا محمد علی جوہر جیسا پرجوش خادم دین قائد " شیخ الجامعہ" تھا- انہوں نے " جامعہ ملیہ اسلامیہ" کے لیے جو تعلیمی اسکیم تیار کی تھی، اس کے مطابق جامعہ ملیہ اسلامیہ اور اس سے وابستہ تعلیمی اداروں سے ہمیں نہ صرف موجودہ معیار کے مطابق مہذب نوجوان تیار کرنا، بلکہ ایسے سچے اور پکے مسلمان پیدا کرنا ہیں جو اسلامی جذبہ سے سرشار ہوں اور جنہیں اپنے مذہب سے کافی واقفیت ہو، تاکہ وہ اسلامی اداروں کے اندر رہ کر

پوری آزادی سے نام پیدا کر سکیں (۱۶)۔" ، " جامعہ ملّیہ اسلامیہ" میں کردار سازی کے حوالے سے عمومی اسلامی تعلیم پر زور دیا گیا، مگر اعلیٰ سطح پر تحقیق اور تصنیف و تالیف پیش نظر نہ تھی - اس کے باوجود " جامعہ ملّیہ اسلامیہ" کے اساتذہ میں خواجہ عبدالحی فاروقی اور مولانا محمد اسلم جیراجپوری کا تصنیفی و تحقیقی کام نمایاں ہے - خواجہ عبدالحی فاروقی ، مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد اور ان کے طرز تفسیر کے نمایاں عالم تھے- " جامعہ ملّیہ اسلامیہ" کے بارے میں بالعموم کہا جاتا ہے کہ " جامعہ حقیقتاً مولویوں کی تحریک تھی جس میں مذہب پر زور تھا، اور اس میں بڑھتی ہوئی قوم پرستی کی جھلک تھی، یہ ایم- اے- او کالج کی نسبت دیوبند سے زیادہ قریب تھا - یہ مغربیت پرستی کے خلاف ایک احتجاج بھی تھا، سادہ زندگی ، مگر فکر بلند اس کے پیش نظر تھی(۱۷) "مگر اس رائے کا اولیں حصہ چنداں درست نہیں - " جامعہ ملّیہ اسلامیہ" بعض پہلوؤں سے علیگڑھ کا ردعمل تو تھا، مگر دیوبند کا مثنیٰ نہیں - " جامعہ ملّیہ اسلامیہ" کے اساتذہ اور جن قدیم طلبہ نے اسلامیات پر داد تحقیق دی ہے ، ان پر بحیثیت مجموعی انڈین نیشنل کانگرس کی فکری چھاپ اور دینی امور میں " لبرلزم" کے رجحانات نمایاں تھے-

جس سال تحریک عدم تعاون کے نتیجے میں " جامعہ ملّیہ اسلامیہ " کی داغ بیل ڈالی گئی ، اسی سال " کلیہ جامعہ عثمانیہ" کا افتتاح ہوا جو " جامعہ عثمانیہ حیدر آباد " کا اولیں ادارہ تھا - " کلیہ جامعہ عثمانیہ" میں روز اوّل سے شعبہ دینیات قائم کیا گیا، اور یہ اپنے معاصر جدید تعلیمی اداروں کے شعبہ ہائے دینیات و اسلامیات سے زیادہ بہتر بنیادوں پر قائم تھا - تفسیر ، حدیث ، فقہ ، کلام ، فلسفہ ، منطق اور عربی ادب کے الگ الگ اساتذہ مقرر کیے گئے ، جب ۱۹۳۴ء میں " جامعہ عثمانیہ" نے پوری قوت سے کام کا آغاز کیا تو " کلیہ" کا شعبہ دینیات اس میں ضم کر دیا گیا - " جامعہ عثمانیہ" کے ایک مؤرخ کی رائے میں "جامعہ عثمانیہ" کے دیگر شعبہ جات کے مقابلہ میں شعبہ دینیات کو ایک منفرد حیثیت حاصل تھی --- ارباب جامعہ کے پیش نظر ابتداء سے اس شعبہ کو سارے ہندوستان کے

لیے ایک نمونہ کا شعبہ بنانے کا خیال تھا (۱۸)۔" شعبہ کے نصاب کے لیے جیّد اہل علم پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے مجوزہ نصاب پر برصغیر کے نمایاں معاصر علماء نے رائے دی - جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات سے وابستہ افراد اپنے فنون کے جیّد عالم تھے - مولانا عبدالقدیر صدیقی حدیث اور فقہ کے ماہر تھے - مفتی عبداللطیف تفسیر پڑھاتے تھے ، جامعہ عثمانیہ سے سبکدوش ہونے کے بعد علی گڑھ کے شعبہ " لازمی دینیات" کے صدر ہو گئے تھے - مولوی شیر علی منطق، کلام اور قدیم فلسفہ کے ماہر تھے - مولانا مناظر احسن گیلانی جو اپنی مقبول تصانیف کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ، زندگی کا بڑا حصہ شعبہ دینیات سے وابستہ رہے تھے -

" جامعہ عثمانیہ " میں " شعبہ دینیات" کے ساتھ ایک " شعبہ دینیات لازمی" بھی تھا جس کا مقصد حنفی طلبہ کو اسلام کی مبادیات سے آگاہ کرنا تھا - جامعہ عثمانیہ میں انگریزی اور دینیات لازمی مضامین تھے اور حنفی طلبہ کو " دینیات لازمی" میں کامیابی کے بغیر کوئی سرٹیفکیٹ یا ڈگری نہیں دی جاتی تھی - غیر حنفی مسلمان اور ہندو طلبہ کے لیے اس کی جگہ "اخلاقیات " کا پرچہ لازمی تھا -

جامعہ عثمانیہ نے بعض دوسری جامعات کی طرح " شعبہ عربی" کا اجراء بھی کیا- ڈاکٹر عبدالحق پروفیسر اور صدر شعبہ مقرر کیے گئے تھے جو آکسفرڈ اور جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل تھے -

منظر

قیام پاکستان کے بعد سرکاری سطح پر نوآبادیاتی دور کے سیکولر انداز فکر و تدریس کا بدلنا لازمی امر تھا- مملکت خداداد پاکستان کے نظام تعلیم میں نظریہ حیات کی اہمیت واضح تھی، اور ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلی تعلیم تک، تمام مرحلوں میں اسلامیات کی تدریس کو اہمیت دی جاتا تھی، اور اس سلسلے میں بحث و تمحیص بھی جاری رہی ، تاہم زیر نظر مقالے میں ہم اپنی توجہ جامعات کی سطح پر اسلامیات کی اعلی تعلیم پر مرکوز رکھیں گے-

پاکستان کی قدیم ترین جامعہ - جامعہ پنجاب ، لاہور میں " شعبہ علوم اسلامیہ " کا اضافہ کیا گیا(۱۹۵۰ء)- سندھ یونیورسٹی نے جو ۱۴ اپریل ۱۹۴۷ء سے کراچی میں ایک امتحانی اور الحاقی جامعہ کی حیثیت سے کام کر رہی تھی ، ۱۹۵۱ء میں حیدر آباد منتقل ہونے پر تدریسی ذمہ داریاں سنبھالیں، اور اس میں عربی اور " تقابل ادیان و اسلامی ثقافت " کے شعبے متعارف کرائے گئے - ۱۹۵۰ء میں پشاور یونیورسٹی اور اگلے سال کراچی یونیورسٹی ، کراچی نے کام شروع کیا - اسلامیہ کالج پشاور (تاسیس : ۱۹۱۳ء) کو اس کے وقیع کتب خانے اور عملہ تدریس کے ساتھ پشاور یونیورسٹی کا حصہ بنا دیا گیا (۱۹۵۴ء)، اس سے پہلے ۵۳-۱۹۵۲ء میں شعبہ عربی قائم کیا جا چکا تھا ، پانچ برس بعد ۵۸-۱۹۵۷ء میں الگ شعبہ اسلامیات قائم کر دیا گیا -

مذکورہ جامعات کے شعبہ ہائے اسلامیات کے لیے نصاب کی تیاری اور اساتذہ کا انتخاب اہم مسئلہ تھا ، ان جامعات اور شعبوں کے کارپردازوں نے اپنی اپنی دینی و سیاسی اٹھان اور تعلیمی پس منظر میں آکسفرڈ اور کیمبرج کے ساتھ علی گڑھ اور " جامعہ عثمانیہ - حیدر آباد" کی روایات کو اپنے ملکی و دینی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ، تاہم ملکی سطح پر اسلامیات یا علوم اسلامیہ کے بارے میں غالباً پہلی بار ایس - ایم - شریف کی سرکردگی میں قائم کیے گئے تعلیمی کمیشن نے واضح تجاویز پیش کیں - کمیشن نے اپنی رپورٹ میں " مذہبی تعلیم " کے عنوان سے " اعلیٰ تعلیم " پر یہ رائے دی :

> مذہبی تعلیم کی مد میں اعلیٰ ترین دانشور پیدا کیے جائیں جو دنیا کی دیگر جامعات کے دانشوروں سے کسی طرح پیچھے نہ ہوں - مذاہب کے تقابلی مطالعے اور تاریخ عالم پر ان کی نظر ہو تاکہ وہ انسان کی " معاشرتی ، اقتصادی اور سیاسی زندگی" میں مذہب کے کردار کو نمایاں کر سکیں اور اسلام کو ایک ایسے "مجموعہ افکار کے طور پر پیش کر سکیں جو دور جدید کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے ، " اس لیے اصلی وسیع المشرب اور عقلی اسلام کی مناسب تشریح کرنی چاہیئے اور اس کا اطلاق جدید زندگی کے مسائل پر کرنا چاہیئے -

قرآن و حدیث ، فقہ ، تاریخ اور فلسفہ کی تدریس کے ساتھ اسلامیات کے دانشوروں اور اساتذہ کو معروضی تصور پیدا کرنا چاہیئے اور جدید سائنس ، طبعی اور معاشری دونوں کی روح اور طریقوں کو سمجھنا چاہیئے--- درسیات اسلامیہ کے مدرّسوں کو اپنے مضمون---(کے ساتھ) کم از کم ایک معاشری سائنس مثلاً اقتصادیات، فلسفہ، عمرانیات، نفسیات یا پولیٹکل سائنس اور ان اصولوں کا فہم ہونا چاہیئے جو طبعی سائنسوں کی روح اور طریقوں کی تہہ میں کارفرما ہیں(۱۹) ۔

کمیشن نے " ریسرچ" کے حوالے سے جامعات کے تدریسی شعبوں کے علاوہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک ایک " ادارہ درسیات اسلامیہ" کے قیام کی تجویز پیش کی- غالباً ۱۹۶۱ء میں قائم کیے گئے " ادارہ تحقیقات اسلامی-کراچی" (اور اب اسلام آباد)کے محرکات میں سے ایک محرک یہ تجویز بھی تھی - بعد ازاں ۱۹۶۲ء کے دستور میں اس ادارے کو آئینی حیثیت دے دی گئی- " کمیشن" نے جامعات میں تحقیق کے لیے وظائف کے اجراء ، بیرون ملک جانے کی سہولتوں کی فراہمی ، نیز اسلام اور سائنس کے امتزاج پر زور دیا-

" شریف کمیشن" کی رپورٹ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء دور کی " اسلامی جدیدیت" کی عکاس ہے- ۱۹۶۹ء کے دوسرے مارشل لاء دور میں تعلیمی پالیسی کے سلسلے میں پہلے "حکومت کی جانب سے کچھ تجاویز" پیش کی گئیں (جولائی ۱۹۶۹ء) جو ایئر مارشل نور خان کے زیر سرکردگی مرتب کی گئی تھیں ، اسی لیے بالعموم یہ " نور خان تجاویز" کے نام سے معروف ہیں - ان " تجاویز"(۲۰) میں نظام تعلیم میں اسلامیات کے مقام اور ثانوی سطح پر اس کے تعارف ، نیز دینی مدارس کے حوالے سے تو گفتگو کی گئی، مگر اسلامیات کی جامعاتی سطح پر تدریس و تحقیق پر کچھ نہ کہا گیا، حتیٰ کہ علماء کی ایک مجلس (۲۱) نے ان تجاویز پر غور و فکر کیا اور اپنی رپورٹ حکومت کو ارسال کی - مجلس نے اسلامیات کے معیار تعلیم کو بہتر

بنانے پر گفتگو کی، مگر اعلیٰ جامعاتی سطح پر " تحقیق" اس کی بھی توجہ حاصل نہ کر سکی(۲۲) ۔
مارچ ۱۹۷۰ء میں جب " نئی تعلیمی پالیسی(۲۳) " شائع ہوئی تو اس میں کہا گیا تھا :

> اعلیٰ سطح پر، جامعات کے شعبہ ہائے اسلامیات کو مضبوط کیا جائے تاکہ یہ شعبے ایسے افراد پیدا کر سکیں جو نہ صرف مذہب پر کماحقہ عبور رکھتے ہوں، بلکہ معاصر دنیا کے چیلنجوں کا بھرپور جواب دینے کے اہل ہوں - یہ بھی تجویز کیا جاتا ہے کہ منتخب جامعات میں ہر لحاظ سے مکمل اسلامیات کے انسٹی ٹیوٹ قائم کیے جائیں جن کے تدریسی ، تحقیقی اور اشاعت کتب کے پروگرام ہوں(۲۴) ۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء میں صوبہ بلوچستان میں پہلی یونیورسٹی قائم کی گئی جس نے روز اول سے علوم اسلامیہ کو اپنے تدریسی پروگرام میں شامل کیا - سقوط ڈھاکہ کے بعد وطن عزیز میں نئی حکومت نے ۷۸-۱۹۷۲ء کے لیے نئی تعلیمی پالیسی دی ، اس میں کہا گیا تھا کہ تیزی کے ساتھ ملک کے تمام علاقوں میں جامعات قائم کی جائیں گی - ۱۹۷۴ء میں " پیپلز(علامہ اقبال) اوپن یونیورسٹی اسلام آباد" اور "گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان" قائم کی گئیں - اگلے سال " اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور" اور ملتان (بہاء الدین زکریا) یونیورسٹی- ملتان" کی داغ بیل ڈالی گئی - " علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی " فاصلاتی نظام تعلیم کے تحت قائم ہوئی تھی - اس نے آغاز ہی میں " انسٹی ٹیوٹ آف عربیک اینڈ اسلامک اسٹڈیز" قائم کر لیا اور نشریاتی اداروں کے ذریعے ابتدائی اور ثانوی سطح پر عربی و اسلامیات کی تدریس شروع کی - یہ انسٹی ٹیوٹ بعد ازاں عربی اور اسلامیات کے دو شعبوں میں بٹ گیا ، اور اب گزشتہ چند برسوں سے یہاں کے شعبہ اسلامیات میں ایم- فل کی سطح پر تحقیق ہو رہی ہے-

" اسلامیہ یونیورسٹی - بہاول پور" کو ۱۹۷۵ء میں قائم ہوئی ، مگر اس کی ابتدائی شکل ۱۹۶۱ء میں سامنے آئی تھی ، جب حکومت پاکستان نے ائمہ و خطباء کی تربیت کے لیے

کوئٹہ میں " اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز" منظم کی تھی - یہ اکیڈمی ۱۹۶۳ء میں سابق ریاست بہاول پور کے دینی ادارے " جامعہ عباسیہ بہاول پور" (قیام :۱۹۲۵ء) کے ساتھ ضم کر دی گئی اور نئے دینی ادارے کو " جامعہ اسلامیہ بہاول پور " کا نام دیا گیا - علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ اہل علم کو یکجا کر کے اسلامی تعلیمی اقدار کو جدید افکار سے ہم آہنگ کرنے کی جانب یہ ایک قدم تھا، مگر ۱۲ سال بعد مارچ ۱۹۷۵ء میں اسے خالصتاً دینی ادارے کی جگہ دوسرے مضامین کی تدریس کی سہولت دیتے ہوئے " اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور" کا درجہ دیا گیا - " اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور" نے اپنے دینی پس منظر کے تحت نہ صرف اپنے نام میں لفظ " اسلامیہ" برقرار رکھا ، بلکہ شعبہ اسلامیات کو اہمیت دی- اسی طرح " بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان" نے عربی اور اسلامیات کے شعبے قائم کیے - جنوبی پنجاب کی یہ دونوں جامعات عربی اور علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کی سطح پر تحقیق کو آگے بڑھا رہی ہیں -

---

۱۹۷۰ء کے عشرے میں احیاء دین کے حوالے سے بالخصوص دنیائے اسلام میں ایک ہلچل پیدا ہوئی- اس وقت اس جذبہ و تحریک کے اسباب پر تو گفتگو نہیں کی جا سکتی ، تاہم یہ ایک امر واقع ہے کہ مسلم اہل دانش نے اسلام کے حوالے سے سیاست و معیشت کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر پہلو پر غور و فکر شروع کر دیا تھا ، ۳۱ مارچ تا ۱۸ اپریل ۱۹۷۷ء کو " اسلامی تعلیم" کے موضوع پر کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ مکرمہ (سعودی عرب)" نے پہلی عالمی کانفرنس منعقد کی- کانفرنس کی روداد میں لکھا گیا ہے :

> دنیائے اسلام میں اب یہ احساس پیدا ہونے لگا ہے کہ مغربی نظام تعلیم کی تقلید سے وہ اپنا اسلامی کردار کھو بیٹھے گی اور اخلاقی انتشار کا شکار ہو جائے گی- اس صورت حال سے نجات اپنے روحانی، اخلاقی، فکری اور مادی انداز فکر و عمل کے تحفظ اور اسلامی نقطہ نظر سے اپنے مسائل کو حل کر کے اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے میں مضمر ہے - یہ بات شدت کے ساتھ محسوس

کی جانے لگی ہے کہ صحیح معنوں میں ایک اسلامی نظام تعلیم وضع کیا جائے - تعلیم کو سچے اسلامی رنگ میں رنگنے کے لیے لازم ہے کہ مسلمان سکالر علم کے تمام شعبوں میں اسلامی تصورات پیش کریں اور مسلمان ممالک میں ان اسلامی تصورات کو عام کر کے دانشوروں اور طالبعلموں کے ذہنوں کو (غیر اسلامی) تصورات سے پاک کیا جائے - اسلامی تصورات کی معنویت اور افادیت کو تحقیقی منصوبوں، نصابی کتابوں اور اساتذہ کے تربیتی پروگراموں کے ذریعے اجاگر کیا اور مقبول بنایا جا سکتا ہے(۲۵) -

احیائے دین کی اس فضا میں جب جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا (جولائی ۱۹۷۷ء) تو انہوں نے " نفاذ شریعت" کے اپنے پروگرام کے تحت تعلیمی پالیسی میں اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم پر توجہ دی - ۱۹۷۸ء کی تعلیمی پالیسی میں تجویز کیا گیا کہ اسلامی شریعت اور فقہ و قانون میں قابل لحاظ تعداد میں افراد کی فراہمی کے لیے " اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور" کے مختلف شعبوں کو تقویت دی جائے گی ، اور ہر سطح پر عربی زبان کی تدریس کے لیے " علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد"اقدامات کرے گی(۲۶)، مگر اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا اور " قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد " میں شریعہ فیکلٹی کا اضافہ کیا گیا (۱۹۷۹ء) جس میں اسلامی تصورات تعلیم اور اسلامی تناظر میں ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ سطح کے نصابات پر تبادلہ خیال کیا گیا - نظام تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے اور علوم مروجہ کو اسلامی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی تحریک بتدریج راستہ بنا رہی تھی - جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۸۰ء میں " جامعہ اسلامیہ اسلام آباد" کا آرڈی نینس جاری کیا - " جامعہ اسلامیہ اسلام آباد" نے جب کام شروع کیا تو " شریعہ فیکلٹی ، قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد" کو اس کا حصہ بنا دیا گیا -

جامعہ اسلامیہ اسلام آباد جس کا بنیادی حوالہ ہی " اسلام" ہے اور نفاذ شریعت کے اہم کام میں ماہرین کی فراہمی اس کا اہم مقصد قرار دیا گیا تھا، اس میں معاشیات ، قانون و شریعت ، اصول الدین اور عربی میں ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر تحقیق ہو رہی ہے -

" جامعہ اسلامیہ اسلام آباد" کے قیام میں یہ سوچ بھی کارفرما تھی کہ علوم جدیدہ کو اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے گا - معاشیات کی جگہ " اسلامی معاشیات" متعارف کرانے میں یہی ذہن کارفرما تھا - " جامعہ اسلامیہ " نے اپنے قیام کے فوراً بعد " عالمی ادارہ فکر اسلامی، واشنگٹن - ڈی - سی" کے تعاون سے جدید علوم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کیا (اسلام آباد : جنوری ۱۹۸۲ء)، تاہم اس حوالے سے جامعہ کوئی فکری پیش رفت کرنے میں تاحال چنداں کامیاب نہیں - سماجی علوم کی تعلیم و تدریس میں جامعہ کو زیادہ دلچسپی نہیں ہے، البتہ انگریزی ادب اور کمپیوٹر سائنس کے مضامین پڑھائے جا رہے ہیں -

اسلامی علوم بالخصوص اصول الدین، شریعت اور عربی زبان کی تدریس میں "جامعہ اسلامیہ اسلام آباد" کو روز اوّل سے سعودی عرب کی جامعات اور جامعہ ازہر قاہرہ کا تعاون حاصل ہے - ان جامعات کے اساتذہ اور فارغ التحصیل علماء " جامعہ اسلامیہ اسلام آباد" کی نصاب سازی اور تدریس میں شامل ہیں - جہاں " جامعہ اسلامیہ اسلام آباد" کو وطن عزیز کی دوسری جامعات سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی تدریسی زبانیں عربی اور انگریزی ہیں، وہیں جامعہ ازہر قاہرہ کے تقلیدی نظام تعلیم و تدریس سے واقف اہل علم اس سے کسی بڑے فکری و تحقیقی کارنامے کی توقع نہیں رکھتے(۲۸) -

" جامعہ اسلامیہ اسلام آباد" کے الحاقی اداروں میں " ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد" بھی شامل ہے جو اپنی قائم کردہ ڈگر پر اسلامی موضوعات پر تحقیق میں مصروف ہے اور کتب و جرائد کی شکل میں اس کے نتائج تحقیق باقاعدگی سے سامنے آتے رہتے ہیں-

حالیہ " قومی تعلیمی پالیسی ، ۱۹۹۸ء-۲۰۱۰ء " میں وطن عزیز کی نظریاتی بنیادوں، دستوری دفعات اور اسلام کی جامعیت کے حوالے سے " اسلامی تعلیم" پر ایک باب لکھا گیا ہے(۲۹) - اسلامی تعلیم کے حوالے سے دینی مدارس اور جدید سکولوں کے نصابات میں تبدیلی کے ساتھ انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے پر گفتگو کی گئی ہے - " دینی مدارس

بورڈ" اور " مثالی دارالعلوم" قائم کرنے کا عندیہ ظاہر کیا گیا ہے ، تاہم اسلامیات یا عربی میں اعلیٰ سطح کی تحقیق پر کچھ نہیں کہا گیا - البتہ عمومی انداز میں "تحقیق" کی صورت حال پر لکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگرچہ بعض اداروں اور شعبوں میں اچھی تحقیق سامنے آ رہی ہے تاہم " فعال سائنس دانوں" کی محدود تعداد کے پیش نظر بہت زیادہ توقع درست نہیں(۳۰) ۔

پیش منظر

" جامعات " میں عربی اور اسلامیات میں " تحقیق" کا کیا حال ہے ؟ ایسی کوئی جامع کتابیات مجھے اسلام آباد کے کتب خانوں میں دستیاب نہیں ہو سکی ، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ گزشتہ ۴۸ برسوں میں کن موضوعات پر ایم - فل اور ڈاکٹریٹ کے مقالات لکھے گئے ہیں ، البتہ جو جزوی معلومات حاصل ہو سکی ہیں(۳۱) ، ان کے مطابق"ادارہ علوم اسلامیہ ، جامعہ پنجاب " میں ۱۹۸۹ء تک ۳۹ اہل علم کو ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری دی گئی تھی - ۱۹۷۶ء تک کراچی یونیورسٹی - کراچی کے شعبہ عربی سے چار افراد نے ڈاکٹریٹ اور ایک نے ایم - فل کی سند حاصل کی تھی ، اور شعبہ اسلامیات سے صرف چار افراد ڈاکٹر ہوئے تھے(۳۲) ۔

محسوس ہوتا ہے کہ ہر آنے والے عشرے میں تحقیقی مقالات کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے ، بالخصوص حکومت کے اس فیصلے سے کہ ڈاکٹریٹ کی سند رکھنے والے اساتذہ کو " الاؤنس" دیا جائے گا ، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ نے بڑی تعداد میں اعلیٰ اسناد کے لیے " تحقیقی" کام کیا ہے - جامعات کے اساتذہ جنھوں نے بیرون ملک، بالخصوص مغربی دنیا کی جامعات سے اعلیٰ سندات لی ہیں، ان کا کام بالعموم انگریزی زبان میں ہے - وطن عزیز کی جامعات میں اسلامیات کے فاضل تو اردو یا انگریزی میں لکھتے ہی ہیں، مگر عربی زبان و ادب سے متعلق تحقیقی مقالات بھی بالعموم اردو میں ہیں- جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے ، طلبہ

بالعموم مخطوطات کی ترتیب و تدوین کو ترجیح دیتے ہیں، کیوں کہ اس میں موضوع محدود ہوتا ہے اور زیادہ تر دو تین قلمی نسخوں کے تقابل سے متن تیار کر دیا جاتا ہے، بہت ہوا تو قرآنی آیات یا احادیث کی تخریج کر دی جاتی ہے - جہاں تک خطی نسخے کے مصنف کے احوال و آثار کا تعلق ہے - تذکرہ نگاروں اور مورخین ادب نے یہ کام کیا ہوتا ہے - خطی نسخے کی ترتیب و تدوین کے بعد دوسرا پسندیدہ موضوع شخصیات کے " احوال و آثار " پر داد تحقیق دینا ہے - اس سے ملتا جلتا کام کسی خاص عہد میں کسی فن کی کتب کا جائزہ ہے - مثال کے طور پر مغل عہد کی عربی تفاسیر، بیسویں صدی میں علمائے پنجاب کی خدمات حدیث وغیرہ - اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ سب کام غور و فکر سے زیادہ " جمع آوری " کا ہے - اس مشق جمع آوری کی اہمیت کے باوجود ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر کے حوالے سے " فکری " موضوعات منتخب کیے جائیں، اور اگر آج کے مسائل کی راہ ان سے کھل سکے تو یہ تحقیق امت کے لیے مفید ہوگی- مثال کے طور پر سیاسی ، اقتصادی اور سماجی مسائل پر تقابلی مطالعات زیادہ توجہ کے مستحق ہیں- جہاں تک مقالات کے موضوعات کا تعلق ہے ، "حال" سے زیادہ " ماضی" پر توجہ مرکوز ہے اور " مراجع " کے حوالے سے اکثر بنیادی کتابیں دسترس سے اس لیے باہر رہتی ہیں کہ جامعات کے کتب خانوں میں موجود نہیں ہوتیں - ثانوی نوعیت کی کتب و مقالات کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں ہوتا کیوں کہ جامعاتی کتب خانے نہ صرف علمی رسائل و جرائد نہیں خریدتے ، بلکہ انڈکس اور کتابیات پر مبنی مطبوعات بھی نہیں خریدی جاتیں- اعلیٰ اسناد کے لیے لکھے گئے مقالات میں بالعموم ان مراجع کو "ثانوی" درجہ دیتے ہوئے مسترد کر دیا جاتا ہے ، یا انہیں اہمیت نہیں دی جاتی جو دینی و علمی مسائل پر متاخر اہل قلم کی کاوش ہیں، حالانکہ بعض اوقات ان متاخر کاوشوں کی اس لیے اہمیت بنتی ہے کہ ان میں اسلاف سے ذرا ہٹ کر رائے موجود ہوتی ہے - اسی طرح ان موضوعات پر عالم اسلام کے دوسرے اہل علم کیا لکھ پڑھ رہے ہیں، ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا، کیونکہ ان کی تحریریں اپنی زبانوں مثلاً ترکی ، سواحلی یا ہاوسا وغیرہ میں ہوتی ہیں - ہمارے ہاں ڈاکٹریٹ کے جو مقالات شائع ہوئے ہیں، ان میں سے

بعض پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ تحقیق کا بہت بلند معیار پیش کیا گیا ہے ، تاہم بعض ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

صورت حال کی بہتری کے لیے ضروری ہے کہ :

☆ اسلامیات اور عربی کے حوالے سے کتب خانوں کو بہتر بنایا جائے - عالم عرب کی جدید مطبوعات، بالخصوص رسائل و جرائد فراہم کیے جائیں - آج پوری دنیا میں اسلامیات کے حوالے سے مختلف زبانوں میں لکھا جا رہا ہے ، اگر یہ سب کچھ حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس میں سے وقیع تر کے حصول کی کوشش کی جائے -

☆ عربی زبان کے حوالے سے قدیم مخطوطات کی ترتیب و تدوین اور جدید عربی ادب پر تحقیق کے درمیان توازن پیدا کیا جائے -

☆ عربی زبان میں تحریر و انشاء کو بنیادی اہمیت دی جائے ، طلبہ کے لیے عربی زبان میں جرائد کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے اور عربی زبان و ادب میں اعلیٰ اسناد کے لیے مقالات کی زبان بھی عربی ہو -

☆ عربی زبان اور ادب اپنے طور پر ، نیز مطالعہ اسلام کی نسبت سے جو اہمیت رکھتا ہے ، اس پر بحث کی ضرورت نہیں، تاہم عربی کے ساتھ مسلمانوں کی دوسری زبانوں، اور غیر مسلم دنیا کی زبانوں کو بھی ، اس حوالے سے سیکھنے کی کوشش کی جائے کہ ان میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں شائع ہونے والی معلومات سے استفادہ کیا جا سکے -

☆ ہمارے ہاں کتنے لوگ ہیں جو اطالوی، ہسپانوی، جرمن، فرانسیسی، جاپانی یا مسلمانوں کی زبانیں ترکی، ہاوسا اور سواحلی جانتے ہیں! کچھ عرصہ پہلے مجھے وطن عزیز کے دینی گروہوں پر کچھ معلومات کی ضرورت محسوس ہوئی تو " تحریک فقہ جعفریہ" پر چند کتابچوں کے سوا کوئی تجزیاتی مقالہ نہ مل سکا، البتہ اطالوی میں ایک طویل مقالے کی اطلاع مل گئی، مگر اس سے استفادہ کی کوئی شکل نہ بن سکی -

☆ تقابل ادیان کے حوالے سے ہم بدھ مت، ہندومت ، مسیحیت ، یہودیت یا دوسرے مذاہب کو اردو، عربی اور انگریزی کے توسط سے جانتے ہیں، کیا " علم و فضل" کا یہ تقاضا

نہیں کہ ان زبانوں پر ہمیں کچھ دسترس حاصل ہو جن میں ان مذاہب کے صحیفے ہیں، اور ان کے رہنماؤں نے ان ہی زبانوں میں تشریح و تعبیر کی ہے -

☆ عربی اور اسلامیات کے شعبوں میں کام کرنے والے اپنے مضامین میں " نئی تحقیق" سے کتنے واقف ہیں؟ کتنا مطالعہ کرتے ہیں؟ آپ مجھ سے شاید اختلاف نہ کریں گے، اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ صورت حال خوش کن نہیں -

حواشی و حوالہ جات

۱- نظام تعلیم کے تدریسی ارتقاء کے لیے دیکھیے : ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، مکتبہ خاور- لاہور(۱۹۷۹ء، طبع اوّل ۱۹۳۶ء)، صفحات ۸۹-۱۰۴، محمد رضا انصاری فرنگی محلی، بانی درس نظامی، اتر پردیش اردو اکاڈمی- لکھنو(۱۹۷۳ء)، صفحات ۲۵۷-۲۷۸

۲- " مدرسہ عالیہ کلکتہ" بدلتی ہوئی سرکاری پالیسیوں کے علی الرغم کام کرتا رہا- ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد اس کے عربی شعبے کا احیاء ڈھاکہ میں کیا گیا - دیکھیے : عبدالستار خان، تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ، ڈھاکہ (۱۹۵۷ء)

3- S.N. Mukherjee,Sir William Jones:A Study in Eighteenth Century British Attitudes to India, London: Sangam Books (1987, first published 1968), David Kopf, British Orientalism and the Bengal Renaissance: The Dynamics of Indian Modernization, 1773-1835, Berkeley: University of California Press(1969)

۴- مولوی عبدالحق ، مرحوم دہلی کالج ، انجمن ترقی اردو پاکستان - کراچی (۱۹۶۲ء) ، صفحات ۲۳-۲۴

۵- ایضاً ، ص ۲۵۵

۶- دیکھیے : عبدالحمید صدیقی ، نظام تعلیم کا اساسی تخیل - لارڈ میکالے کی تاریخی یادداشت کا ترجمہ اور اس پر تبصرہ ، احباب پبلی کیشنز- لاہور (۱۹۷۱ء)

۷- غلام حسین ، تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج - لاہور، جدید اردو ٹائپ پریس، لاہور(۱۹۶۲ء)، ص ۱۷

۸- محمد علی،My Life: A Fragment (مرتبہ : افضل اقبال) ، شیخ محمد اشرف - لاہور (۱۹۶۶ء) ، صفحات ۲۱-۲۲

۹- حبیب اللہ خان، حیات آفتاب، اسرار کریمی پریس - الہ آباد (۱۹۴۷ء)، ص ۳۱۳

۱۰- علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی آراء کے لیے دیکھیے : علامہ محمد اقبال کا مکتوب بنام صاحبزادہ آفتاب احمد خان، بشیر احمد ڈار، Letters of Iqbal ، اقبال اکادمی پاکستان -لاہور (۱۹۷۸ء) ، صفحات ۱۵۱-۱۵۶، شیخ عطاء اللہ ، اقبال نامہ ، شیخ محمد اشرف - لاہور (۱۹۵۱ء)، حصہ دوم ، صفحات ۲۱۲-۲۲۵

۱۱- تفصیلات کے لیے دیکھیے : حبیب اللہ خان، حوالہ مذکورہ ، صفحات ۳۲۴-۳۲۷

۱۲- ۱۹۳۶ء کی ایسی ہی ایک بحث کے لیے دیکھیے : سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ، تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز- لاہور (۱۹۷۲ء) ، صفحات ۱۶۳-۱۷۶، نیز صفحات ۲۷۰-۲۹۵

۱۳- عبدالماجد دریا بادی ، ڈھائی ہفتے پاکستان میں یا مبارک سفر ، صدق جدید بک ایجنسی - لکھنؤ (۱۹۵۵ء)، صفحات ۳۸-۳۹

۱۴- خطبے کے متن کے لیے دیکھیے : ماہنامہ " عالم اسلام اور عیسائیت " (اسلام آباد) ، اکتوبر ۱۹۹۵ء ، صفحات ۶-۱۴

15- S. K. Bhatnagar, History of the M. A. O. College Aligarh,Lahore: Book Traders(1969), p.62.

۱۶- " جامعہ ملیہ اسلامیہ " کے نصاب اور مولانا محمد علی کے افکار کے لیے دیکھیے : ثناء الحق صدیقی، مولانا محمد علی جوہر : حیات اور تعلیمی نظریات ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس - کراچی

(۱۹۷۵ء)، صفحات ۱۲۷-۱۷۵

۱۷- ایس - کے - بھٹناگر، حوالہ مذکورہ ، ص ۳۵۱

۱۸- بدر شکیب، سرگزشت جامعہ عثمانیہ ، بزم طلباء قدیم نظام کالج - کراچی (۱۹۷۱ء)، ص ۲۶۴

۱۹- حکومت پاکستان، قومی تعلیم کے کمیشن کی رپورٹ ، حکومت پاکستان - وزارت تعلیم (۱۹۵۹ء) ، صفحات ۳۳۱-۳۳۲

20- Govt. of Pakistan, Proposals for a New Education Policy, Islamabad: Ministry of Education and Scientific Research, July 1969.

۲۱- مجلس میں کراچی، حیدر آباد ، سکھر اور ٹنڈو الہ یار کے چند معروف دیوبندی مدارس کے نمائندہ علماء اور "کراچی یونیورسٹی کراچی" ، نیز عائشہ باوانی کالج- کراچی کے اساتذہ اپنی ذاتی حیثیت میں شامل تھے -

۲۲- رپورٹ کے لیے دیکھیے : ماہنامہ "البلاغ" (کراچی)، ستمبر ۱۹۶۹ء صفحات ۳-۲۱

23- Govt. of Pakistan, The New Education Policy of the Government of Pakistan , Islamabad: Ministry of Education and Scientific Research, March (1970.)

۲۴- ایضاً ، ص ۱۵

۲۵- شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی ، اسلامی تعلیم کے موضوع پر پہلی عالمی کانفرنس - روداد، اسلامی تعلیمی و تحقیقی مرکز ، جامعہ قائداعظم - اسلام آباد (س - ن) ، ص ۷

26- Govt. of Pakistan, National Education Policy (Salient Features), Islamabad: Government of Pakistan, (1978), pp. 11-12.

۲۷- سیمینار میں پڑھے گئے منتخب مقالات کے لیے دیکھیے :

Islam: Source and Purpose of Knowledge, Herndon: International

Institute of Islamic Thought, 1989.

۲۸- دیکھیے : ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا نقطہ نظر ، ان کے مقالے " ڈاکٹر محمد حمید اللہ- نقوش وتاثرات " میں ، " مجلہ عثمانیہ " (کراچی) ، اپریل تا جون ۱۹۹۷ء ، ص ۴۴

29- Govt. of Pakistan, National Education Policy, 1998-2010, Islamabad: Ministry of Education, (1998), pp.9-15.

۳۰- ایضاً ، ص ۷۵

۳۱- " ادارہ علوم اسلامیہ ، جامعہ پنجاب ، لاہور " میں پیش کردہ مقالات کی " فہرست مقالات، پی- ایچ - ڈی و ایم - اے علوم اسلامیہ ، ۱۹۵۲ء - ۱۹۸۹ء " اور اس کا ضمیمہ (۱۹۸۹ء - ۱۹۹۱ء) محترمہ جمیلہ شوکت نے کتابچے کی صورت میں شائع کر دیا ہے - (ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب - لاہور، ۱۹۹۱ء) ، بعد ازاں ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۳ء میں پیش کردہ ایم - اے کے مقالات کی فہرست " ادارہ علوم اسلامیہ ، جامعہ پنجاب - لاہور " کے طلبہ کے مجلّہ " البدر " بابت ۱۹۹۳ء میں شائع کی گئی ہے - حافظ محمد سجاد تنزالوی نے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز - اسلام آباد کی درخواست پر وطن عزیز کی مختلف جامعات میں عربی و اسلامیات کے مضامین میں پیش کردہ مقالات (برائے پی - ایچ - ڈی اور ایم - فل) کی ایک فہرست مرتب کرنے کی کوشش کی تھی ، جو تاحال غیر مطبوعہ ہے - " تقابل ادیان" کے حوالے سے لکھے گئے مقالات کی فہرست کے لیے دیکھیے : ماہنامہ " عالم اسلام اور عیسائیت" (اسلام آباد)، مئی ۱۹۹۷ء ، صفحات ۲۸ - ۲۹

۳۲- نصیب اختر ، تاریخ جامعہ کراچی : یوم تاسیس سے جشن سیمیں تک (۱۹۵۱ء - ۱۹۷۶ء) ، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی - کراچی (۱۹۷۷ء) ، ضمیمہ - ۲